Oriental College Magazine, Vol.101, No. 03, Serial No. 381, 2025

جذبات کی تاریخ: ایک نئی ادبی اور ثقافتی تشکیل

(اُردو ادب کے تناظر میں)

احتشام علی، پی ایچ ڈی
ایسوسی ایٹ پروفیسر اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

Urdu Literature and the History of Emotions
(A Cultural and Literary Reconstruction)

Ahtisham Ali, PhD
Associate Professor of Urdu
Govt. College University, Lahore

Abstract

The history of emotions is an emerging cultural theory that has recently provided a fresh lens to understand and explore historical, literary, and cultural studies. However, to date, there has been little practical application of this theory in Oriental languages, particularly Urdu. In contrast, contemporary Western literature has seen a continual emergence of its theoretical and practical dimensions . This article aims to present an introduction and practical framework for this theory, as well as its implications for Urdu literature. It is hoped that this work will not only familiarize readers with the "History of Emotions" within the context of Urdu language and literature but also serve as a catalyst for new academic inquiries inspired by this cultural theory

Keywords:
History of Emotions, Emotions in Urdu literature, Disgust in Urdu literature, Cultural studies in Urdu literature, Oriental literature, Colonial studies in Urdu, Emotionology, Emotional Communities in British India.

جذبات کی تاریخ (History of Emotions) ایسی ثقافتی تھیوری ہے، جس نے پچھلے کچھ عرصے میں تاریخی، ادبی اور ثقافتی مطالعات کو ایک نئے تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی بنیاد فراہم کی ہے۔ اُردو زبان میں اِس نظریے کے عملی اطلاق کا کوئی نمونہ تو ابھی تک نظر سے نہیں گزرا، البتہ ڈاکٹر مبارک علی (پ: ۱۹۴۱) کی ایک مختصر تعارفی تحریر ضرور سامنے آئی ہے، جس میں اُنھوں نے 'انسانی جذبات' کو 'تاریخ کا ایک فراموش کردہ موضوع'(۱) قرار دیتے ہوئے، جدید مؤرخ کی اِس جانب توجہ کو خوش آئند قرار دیا ہے۔ جذبات کا جدید مؤرخ، تاریخ کے قابلِ ذکر واقعات، اہم تحریروں، ادبی متون، شاعری، موسیقی، مصوری اور دیگر فنونِ لطیفہ کے پیچھے کارفرما مختلف انسانی جذبات جیسے 'خوف'، 'خوشی'، 'غم'، 'غصہ'، 'حیرانی' اور 'کراہت' کو سامنے لاتا ہے۔ 'جذبات کی تاریخ' کا اُردو زبان و ادب سے رشتہ جوڑنے سے پہلے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اُردو تنقید میں پچھلی دو دہائیوں سے جن تنقیدی تھیوریز پر زیادہ کام ہوا، اُن میں نو آبادیاتی اور تانیثی مطالعات اپنی دُور رسی کے باعث زیادہ اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ یاد رہے کہ نو آبادیاتی مطالعات، اُس نو آبادیاتی صورتِ حال کا محاکمہ کرتے ہیں، جس میں استعمار کار اور استعمار زدہ (مقامی باشندوں) کے درمیان قائم رشتوں، نئے نو آبادیاتی اداروں کی تعمیر اور نو آبادیاتی حکمتِ عملی کے زیرِ اثر تشکیل پانے والے کلامیوں کی تہ میں چُھپے مقاصد کو نشان زد کر کے؛ نو آبادیاتی عہد کی تاریخ کو کھرے اور کھوٹے کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ نو آبادیاتی عہد میں تخلیق پانے والے ادب کو بھی نو آبادیاتی کلامیوں کے تناظر میں از سرِ نو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مشہور افریقی کہاوت: ''جب تک شیر خود لکھنا نہیں سیکھے گا، ہر کہانی شکاری کی عظمت کو بیان کرے گی!'' کے مصداق نو آبادیاتی مطالعات کا بنیادی مقصد، شکار کی اُس کہانی کو معروضی انداز میں لکھنا ہے، جس کے تحت یورپ کی سامراجی طاقتوں نے ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں لوگوں کو نو آبادیاتی حکمتِ عملی سے اپنا غلام بنا کر اُن کے تہذیبی، سیاسی، سماجی، ادبی اور ثقافتی سانچوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ اِسی طرح اُردو ادب میں 'تانیثیت' کے زیرِ اثر کیے جانے والے مطالعات کی بنیاد اُس صنفی تفریق پر رکھی گئی ہے، جس کی جڑیں انسانی تاریخ میں بہت دور تک پیوست ہیں۔ تانیثی تنقید مرد مرکز معاشرے میں عورت کی حاشیائی حیثیت کو چیلنج کرتی ہے اور تانیثی مطالعات اپنی تھیوری کے فریم ورک میں رہ کر عورت کو درپیش استحصالی رویوں اور ادبی بیانیوں کو معرضِ سوال میں لاتے ہیں۔

درج بالا معروضات کے تناظر میں دیکھیے تو 'جذبات کی تاریخ'، نو آبادیاتی مطالعات کی طرح تاریخ کا مطالعہ نہ تو استعمار کاروں اور استعمار زدہ لوگوں کے درمیان اُستوار ہونے والے رشتوں کے تناظر

میں کرتی ہے اور نہ ہی تابنثی تھیوری کی طرح اِس کا سروکار محض عورت کی ذات کو درپیش مسائل تک محدود رہتا ہے۔ جذبات کی تاریخ اوپر درج دونوں تھیوریز کے ذریعے کیے گئے مطالعات میں بھی اُس فریم ورک کو نشان زد کرنے کی کوشش کرتی ہے، جس کی رُو سے تاریخی اور ثقافتی بیانیوں میں (معروضیت کے پیشِ نظر) 'جذباتی کلامیوں' کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اِس ثقافتی تھیوری کے ایک اہم نظریہ ساز، تھامس ڈکسن (Thomas Dixon) (پ: ۱۹۷۲ء) کے خیال میں جذبات کی تاریخ کا مؤرخ، ماضی کے جذبات و احساسات کا سامنا' الفاظ' کی شکل میں کرتا ہے۔ اُس کے مطابق" یہ الفاظ کسی محبت بھرے گرم جوشی سے لکھے خط میں بھی مل سکتے ہیں اور کسی ذہنی بیماری سے نجات کے لیے لکھے گئے، ڈاکٹر کے طبی نسخے میں بھی، اخبار میں چھپے کسی سنسنی خیز کیس کے ٹرائل میں بھی اور کسی گانے کے شَبدوں میں بھی۔۔۔ ڈِکسن کے خیال میں جذبات کا مؤرخ جہاں سے، اپنے کام کا آغاز کرتا ہے وہ حروفِ تہجی کے بہت سارے خطوط ہوتے ہیں۔ حالاں کہ بہ ظاہر جذبات کو محسوس کر کے بھی اُن پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا؛ اُس وقت بھی جب وہ اپنے مدھم نقوش، دستاویزات، قیمتی اشیاء اور ہمارے جسموں پر چھوڑ جاتے ہیں۔ اِنھی پوشیدہ اور باطنی احساسات کی ظاہری علامات کو احتیاط سے پڑھنا، جذبات کی تاریخ کے مؤرخین کا مرکزی کام ہے۔"(۲)

ڈکسن درج بالا معروضات کے تناظر میں' انقلابِ فرانس' پر ایک ہی زمانے میں شائع والی دو اہم کتابوں کی مثال دیتا ہے۔ اُس کے خیال میں، مشہورِ زمانہ ڈچ مصنف تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) (۱۷۹۵ء- ۱۸۸۱ء) کی ۱۸۳۷ء میں تین جلدوں پر مشتمل کتاب La Révolution میں اپنایا گیا طرزِ تحریر انقلابِ فرانس کی جس جہت کو پیش کرتا ہے، اُس میں مصنف کے ذاتی جذبات ایک تاریخی بیانیے کی ترتیب کو اُلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ کارلائل اپنی تحریر میں 'انقلاب' کو محض حروفِ تہجی کا مجموعہ قرار دیتا ہے، اُس کے مذکورہ جذبات سے آگہی حاصل کرنے کے لیے انگریزی زبان میں یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''La Révolution is so many alphabetic letters; a thing nowhere to be laid hands on, to be clapt under lock and key: where is it? What is it? It is the madness that dwells in the hearts of men. In this man it is, and in that man; as a rage or as a terror, it is in all men.''(3)

ڈکسن، کارلائل کے شاعرانہ اسلوب کی تہ میں چھپے جذبات کی شدت کو اُن الفاظ کی مدد سے شناخت کرتا ہے، جس میں وہ انقلابِ فرانس کے دوران ہوئے تشدد اور انتشار کو 'غصے'، 'خوف' اور ایسے 'پاگل پن' سے تعبیر کرتا ہے، جو انسانوں کے دلوں میں سرایت کر گیا تھا۔ ڈکسن کے خیال میں یہاں

کارلائل 'قابلِ مشاہدہ علامات' اور دستاویزی 'ثبوتوں' کو چھوڑ کر 'نفسیاتی قیاس آرائیوں' کے دائرے میں داخل ہو گیا ہے۔ کارلائل کے اوپر درج الفاظ "انقلابِ فرانس" کے متعلق اُس کے ذاتی احساسات کو، تین جلدوں میں پیش کیے گئے نظریات سے کہیں زیادہ مؤثر انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ کارلائل کے نزدیک جمہوری انقلابات کی بہ جائے وہ استبدادی حکومتیں زیادہ بہتر طریقے سے ملک چلا سکتی تھیں، جن کی باگ ڈور کسی غیر معمولی اور مضبوط آدمی (آمر) کے پاس ہو۔ اِسی نکتے کی مزید وضاحت کے لیے ڈکسن نے کارلائل کی کتاب کے محض دس سال بعد منظرِ عام پر آنے والی انقلابِ فرانس سے متعلق فرانسیسی مؤرخ یولے مشعل(Jules Michelet ۱۷۹۸ء -۱۸۷۴ء) کی کتاب Histoire de la Révolution Française (History of the French Revolution) کا حوالہ دیتا ہے۔ یولے، کارلائل سے جُزوی اتفاق تو کرتا ہے کہ " انقلاب ایسی چیز ہے جس کی جڑیں انسانی نفسیات کی گہرائی میں پیوست ہیں، لیکن اِسے غصے، پاگل پن یا دہشت میں نہیں بل کہ انسانوں کی ایک دوسرے سے 'محبت' اور 'آفاقی ہمدردی' میں تلاش کرنا چاہیے۔"(۴)

اوپر درج دونوں مؤرخین کی تحریروں میں جہاں ایک ہی واقعہ کی عکاسی کے لیے کارلائل نے 'غصے'، 'خوف' اور 'پاگل پن' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں، وہیں یولے نے اسے 'محبت' اور 'آفاقی' ہمدردی کا مظہر بتایا ہے۔ تاریخی متون کا مطالعہ کرتے ہوئے یہی الفاظ 'جذبات کی تاریخ' کے مؤرخ کو پڑھت کا ایک نیا تناظر فراہم کرتے ہیں، جس سے لکھنے والے کا مخصوص زاویۂ نظر اور معروضیت کے تلے دبی فکر اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔

'جذبات کی تاریخ' کی ایک اور اہم نظریہ ساز باربرا روزن وین (Barbara H. Rosenwein پ:۱۹۴۵ء) اِس تھیوری کے عملی اطلاق اور مسائل پر بات کرتے ہوئے ایک ایسا فریم ورک متعارف کرواتی ہے، جس کے تحت کسی بھی مخصوص زمانے اور مقام پر ایک جیسی صورتِ حال میں مبتلا لوگوں کے 'جذباتی اظہار' کو بنیاد بنا کر اُن کے طرزِ احساس، اعمال، روّیوں، تحریروں، موسیقی، مصوری، طرزِ تعمیر اور دیگر فنونِ لطیفہ کو مطالعات کا موضوع بنایا جا سکتا ہے۔ روزن وین سوال اٹھاتی ہے کہ: 'جذبات کی تاریخ' کیوں بہم نہیں ہو سکتی؟ جب ہم جنگوں اور خیالات تک کی تاریخ کو مرتب کرتے ہیں!۔

باربرا روزن وین 'جذبات کی تاریخ' کے عملی اطلاق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے 'جذباتی گروہوں' یعنی (Emotional Communities) کی اصطلاح استعمال کرتی ہے، لیکن اِس اصطلاح پر تفصیلی بات کرنے سے پہلے وہ پیٹر سٹیرنز (Peter Stearns پ:۱۹۳۶ء) کی 'جذباتیت'(Emotionology) اور ولیم ریڈی

(پ:۱۹۴۷ء) کی 'جذباتی حکومتوں' (Emotional Regimes) کو بھی متعارف کرواتی ہے۔ پیٹر سٹرنز کی وضع کردہ 'جذباتیت' کی اصطلاح اِس لیے اہم ہے کہ وہ تاریخ کو بدلتے وقت کے ساتھ وقوع پذیر ہونے والی جذباتی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ پیٹر کے خیال میں کسی بھی سماج یا اُس میں موجود گروہوں میں آنے والی رویوں اور معیارات کی تبدیلیاں اِس 'جذباتیت' ہی کی مرہونِ منت ہوتی ہیں اور مذکورہ سماج یہ تبدیلیاں اختیار کرنے والوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اُن کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔(۵) مثال کے طور پہ کسی سماج میں ہیرو یا لیڈر کا تصور کس طرح تبدیل ہوا؟ کیا اِس تصور کو تبدیل کرنے والی تبدیلیاں جذباتی تھیں؟ سابقہ ہیرو فخر کا اظہار کرتا تھا یا عجز سے کام لیتا تھا؟ کیا وہ محض کسی ایک ہی خدا / مذہب سے محبت کرتا تھا یا سیکولر اقدار کا حامل تھا؟ کیا وہ خوف، اُداسی اور اِس طرح کے دیگر جذبوں کا بھی اظہار کرتا تھا یا بہ ظاہر جذبات سے مکمل عاری تھا؟۔ یعنی سماج میں ہیرو یا اِس طرح کے دیگر تصورات کی تبدیلی کے پیچھے کارفرما 'جذباتیت' کے عمل کو سمجھ کر ہی 'جذبات کا مؤرخ' اِس بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کر سکتا ہے۔ پیٹر کی اِس بات کو واضح کرنے کے لیے جدید اردو شاعری میں سے یہ مثال دیکھیے کہ جس زمانے میں مجید امجد (۱۹۱۴۔ ۱۹۷۴ء) قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے کے لیے 'آٹو گراف' جیسی نظم لکھ رہا تھا، اُسی وقت ہمارا معاشرہ ایسی تبدیلیوں سے ہم کنار ہو رہا تھا؛ جن سے مختلف اقداری تصورات کے ساتھ ساتھ سماج میں 'ہیرو' کا تصور بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ ہمارے ہاں ،سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶۔ ۱۹۹۹ء) نے تو اِس تبدیلی کا ذکر انتہائی سرسری انداز میں کیا تھا: (تھا کبھی علم آدمی، دل آدمی، پیار آدمی / آج کل زر آدمی، قصر آدمی، کار آدمی)(۶) لیکن اوپر درج پیٹر کے اُٹھائے سوالوں کی گونج ہمیں مجید امجد کی نظم میں پوری شدت سے سنائی دیتی ہے، جس کی اصل وجہ متن میں پائی جانے والی 'جذباتیت' ہے۔ مذکورہ نظم کے اختتامی مصرعوں کا حُزنیہ آہنگ جن سماجی تبدیلیوں کا نوحہ ہے، اُس کے نقوش ہمیں مجید امجد کی جانب سے استعمال کیے گئے 'لفظوں' میں پوری شدت سے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظم کے آخری پانچ مصرعے، ابتدائی حصے سے بالکل ہی مختلف کیفیت کے حامل بن گئے ہیں:

کسی عظیم شخصیت کی تمکنت
حنائی انگلیوں میں کانپتے ورق پہ جھک گئی
تو زر نگار پلوؤں سے جھانکتی کلائیوں کی تیز نبض رک گئی

کوئی جب ایک ناز بے نیاز سے
کتابچوں پہ کھینچتا چلا گیا

حروف کج تراش کی لکیر سی
تو تھم گئیں لبوں پہ مسکراہٹیں شریر سی!

وہ باؤلرا ایک مہ وشوں کے جمگھٹوں میں گھر گیا
وہ صفحۂ بیاض پر بصد غرور کلک گوہریں پھری
حسین کھلکھلاہٹوں کے درمیاں وکٹ گری

میں اجنبی میں بے نشاں
میں پابہ گل
نہ رفعتِ مقام ہے نہ شہرتِ دوام ہے
یہ لوحِ دل یہ لوحِ دم
نہ اِس پہ کوئی نقش ہے نہ اِس پہ کوئی نام ہے(۷)

درج بالا نظم بہ ظاہر سماج میں 'ہیرو' کے نئے تصور ہی کو نشان زد کر رہی ہے، لیکن نظم کے اختتام پر استعمال کی گئی لفظیات؛ ایک ایسے 'جذباتی گروہ' کے جذبات کی عکاسی کر رہی ہیں، جو سماج میں 'ہیرو' کے اِس بدلتے ہوئے تصور سے خوش نہیں ہے۔ اِسی لیے وہ 'حُزن / غم / ملال / اُداسی' جیسے جذبوں سے مغلوب ہو گیا ہے۔ پیٹر سٹرنز 'جذباتیت' کے ذریعے کسی معاشرے میں بدلتی ہوئی اقدار اور تصوارات کو 'جذبات' کی روشنی میں پرکھنے کے لیے تاریخی مآخذات تک رسائی چاہتا ہے۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھیے تو اوپر درج 'شعری متن' بھی ایک ایسے تاریخی مآخذ کی شکل اختیار کر گیا ہے، جس سے مذکورہ زمانے میں وقوع پذیر ہونے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کو ایک نئے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اِسی طرح ولیم ریڈی (William Reddy) جب 'جذباتی حکومتوں' Emotional (Regimes)(۸) کی بات کرتا ہے، تو اُس کے خیال میں انقلابِ فرانس کا بنیادی محرک محض لوگوں کی معاشی اور سماجی زوال پذیری نہیں تھا بل کہ لوگ 'غیر جذباتی' درباری کلچر سے بھی نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مذکورہ عہد کے تناظر میں ریڈی کے اِس نظریے سے متفق ہونا ضروری نہیں، لیکن اُس کی اِس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ دُنیا میں ہر بڑے انقلاب اور سیاسی تبدیلی کے لیے 'عوام کے جذبات' ہی کو بہ طور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات کہ ایسی ہر تبدیلی یا انقلاب کے بعد نئی مقتدرہ اِسی عوام کو اندھیرے میں رکھ کر، تبدیلی کے تمام تر ثمرات سمیٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ یاد رہے کہ 'مندر'، 'مسجد'،

'کلیسا' اور اِن جیسے دوسرے مذہبی ادارے جب لوگوں کے جذبات کو بڑھاوا دے کر اپنے 'مذہبی نظریات' کو کسی ریاست کے قانون پر منطبق کر لیتے ہیں، تو وہ ریاست آہستہ آہستہ ایک ایسی 'جذباتی حکومت' میں تبدیل ہو جاتی ہے، جس میں اختلافِ رائے رکھنے والی منطقی آوازوں کو بالکل ہی سلب کر لیا جاتا ہے۔ ریڈی اِن 'جذبات سے مغلوب' لوگوں کے لیے 'جذباتی قیدیوں' یعنی (Emotional Refugees) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ 'جذباتی قیدی' اُن مخصوص 'جذبوں' کی قید میں ہوتے ہیں، جن کے ذریعے مذہبی، سیاسی یا سماجی مقتدرہ اُنھیں اپنے عزائم کے لیے استعمال کرتی ہے اور مخصوص مقاصد کے حصول تک جھوٹ اور نفرت کو پراپیگنڈہ کا ذریعہ بنائے رکھتی ہے۔ یاد رہے باربرارروزن وین، اِن 'جذباتی قیدیوں' کو اُن 'جذباتی گروہوں'(۹) کی شکل میں دیکھتی ہے، جن کے ذریعے ہندوستان ہی نہیں بل کہ دُنیا بھر میں وقوع پذیر ہونے والے تاریخی واقعات، سماجی و معاشرتی تبدیلیوں، فنونِ لطیفہ اور ادبی متون کو ایک نئے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف ہونے والی ۱۸۵۷ء کی بغاوت / جنگِ آزادی کے فوری اسباب میں سے ایک بڑا سبب 'گائے اور سؤر کی چربی' والے وہ کارتوس تھے، جنھوں نے ہندوستانیوں کے جذبات کو بھڑکانے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ یاد رہے کہ 'ہندو کمیونٹی' کے نزدیک گائے 'ماں' کا درجہ رکھتی تھی، جب کہ 'مسلمان کمیونٹی' 'سؤر کی چربی' کو اپنے ایمان کے لیے خطرہ قرار دیتی تھی۔ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو اِن دونوں 'جذباتی گروہوں' کی مشترکہ بغاوت کے پیچھے 'کراہت' کا وہ جذبہ کارفرما تھا جس نے سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء- ۱۸۹۸ء) کے بہ قول "بہت عرصے سے جمع میگھ زین کے شتابے میں آگ لگا دی تھی"۔(۱۰) یہی وجہ تھی کہ جب ہندوستان میں بغاوت کی آگ بھڑکی تو باغیوں نے اپنے خطوط اور فرامین میں، لوگوں کے جذبات کو اُبھارنے کے لیے خصوصی طور پر اِن چربی لگے کارتوسوں کا حوالہ دیا۔ ایک لشکری فرمان کا اقتباس دیکھیے:

> "حکم حضورِ والا صادر ہوا ہے کہ ہندو کو گائے، مسلمان کو سؤر کے لحاظ کر کے دین اور دھرم کو سمجھ کر بسکہ میری مرضی اور زندگی تم کو منظور ہے تو دیکھتے ہی اِس حکم نامے کے پلاٹن و رسالہ و توپ خانہ سب تیار کر کے اور کشمیری دروازے کے حاضر ہو کر مخالفان ناہنجار و بد افعال پے دھاوا کرو۔ اِس بات میں ایک لحظہ کا تامل و تغافل نہ کر(و) اور چاہیے کہ تم اس تخت کی شرم رکھو اور جو دین اور ایمان پر آئے ہو تو اس کا لحاظ کرو۔۔۔"(۱۱)

تاریخ کے اوراق میں اِس واقعے کے نقوش تلاش کرتے ہوئے جذبات کا مؤرخ، جب اس واقعے کے پسِ پشت موجود جذباتی عوامل کو پیشِ نظر رکھے گا تو 'کراہت' یعنی(Disgust)کا جذبہ اُسے اِس پیچیدہ نفسیاتی صورتِ حال کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرے گا۔ یاد رہے کہ 'کراہت' کو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پال ایکمین (Paul Ekman پ ۱۹۳۴ء) نے اپنے چھ بنیادی جذبات کے ماڈل کا حصہ بنایا تھا۔(۱۲) گرے چن ریوی (Gretchen M. Reevy پ: ۱۹۶۴ء) ' انسائیکلوپیڈیا آف ایموشنز' میں کراہت کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتی ہے کہ "کراہت خود کو، کسی کراہت آمیز چیز، واقعے یا صورتِ حال سے دُور کرنے پر مبنی جذبہ ہے"(۱۳) لیکن اِس جذبے کا براہِ راست تعلق کسی فرد یا جذباتی گروہ کے اُس سماجی، مذہبی اور اقداری نظام سے ہوتا ہے، جو اُسے زندگی گزارنے کے ہی نہیں بل کہ مختلف مظاہر سے مثبت / منفی تعلق استوار کرنے کے ضابطے بھی بتاتا ہے۔ گرے چن کے الفاظ میں "کراہت میں ایسی بہت سی جملہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اِسے ایک اظہاری مظہر، کسی رویے کے ردِ عمل، جسمانی سطح پر کسی تجرباتی جزو اور ذہنی سرگرمی کی وجہ سے ایک جذبے کے طور پر شناخت کرواتی ہیں"۔(۱۴) ۱۸۵۷ء میں 'کراہت' کے جذبے کے زیرِ اثر ہندوستان کی سیاسی اور سماجی زندگی میں جو طوفان آیا، اُسے سامنے رکھیں تو پال روزن (P. Rozin)(پ:۱۹۳۶ء) اور اُس کے دیگر ساتھیوں کی 'کراہت' کے متعلق دی گئی یہ رائے زیادہ قرین قیاس لگتی ہے کہ:"کراہت کے نتیجے میں دیا گیا کوئی بھی ردِ عمل ہماری روح (انسانی ذات کی مختلف جہتیں جیسے ہماری ذات کا تصور اور شناخت) یا سماجی نظام (کسی تہذیب کا اجتماعی کلچر) یا پھر دونوں ہی کو بچانے کی کوشش ہوتی ہے۔"(۱۵)

فروری ۱۸۵۷ء میں برہام پور (ہندوستان) کے سپاہیوں نے جب سوَر اور گائے کی چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کیا،(۱۶) تو بہ طور ایک 'جذباتی گروہ' وہ اپنی رُوح اور تہذیب ہی کی حفاظت کرنا چاہ رہے تھے، لیکن انگریز حکمران ہندوستانی باشندوں کے اِن 'مذہبی جذبات' کو رَتی بھر اہمیت دینے پر بھی آمادہ نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اِن 'سوَر اور گائے' کی چربی ملے کارتوسوں کو (مُنہ سے کھول کر) استعمال نہ کرنے کی پاداش میں برہمن سپاہی منگل پانڈے (۱۸۲۷ء- ۱۸۵۷ء) کو پھانسی دی گئی تو بغاوت کی آگ نے سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔(۱۷) ۹ مئی ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جو واقعات پیش آئے، اُس کی تفصیل میں جانا فی الوقت ہمارا موضوع نہیں ہے، لیکن یہاں اِس مثال کو پیش کرنے کا مقصد 'تاریخی واقعات اور بیانیوں' کی تہ میں موجود اُن 'جذبوں' کی کارفرمائی کو نشان زد کرنا ہے، جنھیں بنیاد بنا کر 'جذبات کا مؤرخ' فہم کے نئے دریچے وا کر سکتا ہے۔

باربرا روزن وین کی 'جذبات کی تاریخ' کے مطالعات کے لیے متعارف کروائی گئی 'جذباتی گروہوں' کی اصطلاح ایسے ہی گروہوں کے 'جذبات' کو نشان زد کرتی ہے، جن کا ذکر اوپر والی مثال میں آیا ہے۔ اِسی لیے باربرا (Emotional Communities) کی تعریف اِن الفاظ میں کرتی ہے:

> "A social group that has its own particular values, modes of feeling, and ways to express those feelings."(18)

ایک ایسا جذباتی گروہ جس کی اپنی مخصوص اقدار، محسوس کرنے کے طریقے اور پھر اُن احساسات کو بیان کرنے کے ضابطے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہر معاشرہ ایسے کئی 'سماجی گروہوں' میں منقسم ہوتا ہے، جن کے ہاں رہن سہن، اقدار اور روایات سے لے کر جذبات و احساسات اور پھر اُن کے اظہار کے طریقے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ایک گروہ جس چیز کو اپنے لیے مقدس گردان کر پاس رکھتا ہے، دوسرے گروہ کے لیے وہی چیز کسی خوف یا خطرے کی علامت ہوتی ہے۔ کسی مخصوص مقام، جانور، پرندے یا تالاب کی یاترا کے لیے کوئی 'گروہ' ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ترفع کے احساس سے ہم کنار ہوتا ہے، جب کہ یہی مظاہر کسی دوسرے 'گروہ' کے لیے کراہت یا کسی اور منفی جذبے کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایسے میں کوئی مؤرخ، مختلف جذبوں کو بنیاد بنا کر اگر مذکورہ گروہ کی علمی، سماجی، ثقافتی، سیاسی اور ادبی تشکیلات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اِس سماجی گروہ کے اقداری نظام اور 'جذباتی کلامیوں' کو سمجھ کر مطلوبہ نتائج کا استخراج زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہے۔

باربرا کے خیال میں کسی بھی تاریخی، ادبی، سیاسی یا سماجی متن کو 'جذباتی گروہوں' کے تصور کی روشنی میں دیکھتے ہوئے، 'جذبات کی تاریخ' کا مؤرخ اُس 'احساساتی نظام' تک رسائی حاصل کر لیتا ہے، جس کے تحت مذکورہ متن وجود میں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ 'جذباتی الفاظ' پر توجہ مرکوز کر کے کسی بھی تاریخی مآخذ یا متن کا مطالعہ، معنی کا سیّاق تبدیل کر دیتا ہے۔ ایک 'جذباتی گروہ' کے لوگ بہت سے مشترکہ جذبات کے زیرِ اثر جہاں ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں، وہیں بہت سے جذبوں سے احتراز بھی اُنھیں ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ اِنھی عوامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے باربرا، کسی خاص عہد یا زمانے میں کسی 'مخصوص جذبے' کے زیرِ اثر لکھنے والوں کے لیے برائن سٹاک (Brian Stock پ:۱۹۳۹ء) کی وضع کردہ اصطلاح 'متنی گروہ'(۱۹) کا تذکرہ کرتی ہے۔ یاد رہے کہ برائن نے گیارھویں اور بارھویں صدی کے یورپ میں 'زبانی تعلیم' کی جگہ لینے والے 'تحریری متن' کو اپنے مقالے The Implications of

the Literacy: Written Language and Model of Interpretation in 11th and 12th Centuries کا موضوع بنایا تھا۔(۲۰) باربرا 'جذبات کی تاریخ' کے مؤرخین سے 'متعینہ زمانے' میں مختلف 'جذبوں کا اظہار' کرنے کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کی فہرستیں بنانے پر اصرار کرتی ہے۔ اُس کے خیال میں کسی مخصوص 'متنی گروہ' کی جانب سے مختلف جذبوں کو بیان کرنے کے لیے منتخب کردہ الفاظ کا مطالعہ: متن میں موجود 'خاموشیوں'، 'استعاروں' اور 'استہزا' کو پیشِ نظر رکھ کر کرنا چاہیے۔ وہ مختلف سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کے پسِ پشت کارفرما جذبوں کے 'گروہی کردار' کا تعین کرتے ہوئے مختلف جذبوں سے متعلق 'مروجہ تصورات' اور وقت کے ساتھ ساتھ اُن میں آنے والی تبدیلیوں کو بھی سامنے رکھنے کی تلقین کرتی ہے۔ اوپر درج معروضات کے تناظر میں 'جذبات کی تاریخ' کے چند اہم مفکرین کے نظریات پر بات کرنے کے بعد ہمیں 'جذبات' کی ماہیت اور اِس کے فکری ارتقا پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالنی چاہیے۔

اکیسویں صدی میں ایک عالم گیری عہد میں سانس لیتے ہوئے، اگر گردوپیش کو دیکھیں تو بیش تر سیاسی، سماجی اور ثقافتی بیانیے 'جذبات کی اثر پذیری' سے مملو ہو کر ہی اپنا ادراک کرواتے ہیں۔ تھامس ڈکسن کے مطابق پچھلی تین دہائیوں سے ایسی کتابوں اور مضامین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جن میں نیوروسائنس دان، نفسیات دان اور فلسفی 'انسانی جذبات' کو بنیاد بنا کر درسی ہی نہیں بل کہ غیر درسی سطح پر بھی کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ بشریات، نفسیات اور ادبی تاریخ نویسی میں یہ مطالعات انقلابی تبدیلیوں کا باعث بنے ہیں۔(۲۱) جذبات کی ماہیت سے متعلق باقاعدہ مطالعات کا آغاز تو انیسویں صدی میں ہوا تھا جب ۱۸۷۲ء میں چارلس ڈارون (Charles Darwin ۱۸۰۹۔۱۸۸۲ء) کی تصنیف The Expression of the Emotions in Man and Animals منظرِ عام پر آئی تھی۔ اِس کتاب میں ڈارون نے جنوبی امریکہ کے جنگلات میں آباد قبائلی افراد کے جذبات (جیسے بچوں کی طرح 'رونے' اور 'ہنسنے') کا تقابل یورپ کے مہذب افراد سے کیا تھا اور مختلف جذبات کے اظہاری طریقوں کو اپنی تصنیف کا موضوع بنایا تھا۔ اِس کتاب کا چھٹا باب "Special Expressions of Man : Suffering and Weeping" اِس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اِس باب میں ڈارون نے جسمانی اور ذہنی تکلیف کے دوران؛ اظہارِ غم کے لیے آنسو بہانے کے عمل کو، انسانی ذہن کی مختلف حالتوں کے تناظر میں دیکھا اور بیان کیا تھا۔(۲۲) گو اِس کتاب میں جذبات کی ماہیت سے سے زیادہ ان کے اظہاری طریقوں پر بحث کی گئی ہے لیکن اِنھی مباحث نے مغرب میں اِس موضوع پر مزید کام کی راہ ہموار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

چارلس ڈارون کے بعد انیسویں صدی کے اواخر میں امریکی نفسیات دان اور فلسفی ولیم جیمز (William James ۱۸۴۲ -۱۹۱۰ء) نے ڈینش ماہرِ نفسیات کارل لینگ (Carl Lange ۱۸۳۴ء-۱۹۰۰ء) کے ساتھ مل کر 'جذبات کی ماہئیت' کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اِن دونوں نفسیات دانوں کی ۱۸۹۰ء میں شائع ہونے والی کتاب The Principles of Psychology بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اِس کتاب سے پیش تر ولیم جیمز نے اپنے مقالے "What is an Emotion?" میں 'جذبات' کو اُس جسمانی ردِ عمل کا نتیجہ قرار دیا جو کسی تحرک یا احساس کے باعث وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں افسوس ہوتا ہے، کیوں کہ ہم روتے ہیں؛ غصہ آتا ہے کیوں کہ ہم حملہ کرتے ہیں؛ ڈرتے ہیں کیوں کہ کانپ جاتے ہیں"(۲۳) تھامس ڈکسن انیسویں صدی میں جذبات سے متعلق منظرِ عام پر آنے والے تمام نظریات میں سب سے زیادہ اہمیت اِسی تھیوری کو دیتا ہے جس کا اثر محض اپنے زمانے تک محدود نہیں تھا بل کہ اِس تھیوری نے مستقبل میں بھی علمِ نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔(۲۴) خیال رہے کہ اُردو زبان میں 'جذبات کی ماہئیت' سے متعلق بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں محض مولانا عبدالماجد دریاآبادی (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء) نے کچھ عمومی تصورات پیش کیے، جو اُن کی تصنیف 'فلسفہء جذبات' کا حصہ ہیں۔ مولانا نے وجدان کی دو مختلف حالتوں کو 'احساس' اور 'جذبے' کا نام دیا، اُن کے الفاظ میں:

> " احساس جس کے دو رُخ ہیں، ایک لذت و انبساط اور دوسرا الم و انقباض، وجدان کی منزل اولین کا نام ہے، وجدان جس وقت تک سادہ، منفرد یا بسیط حالت میں رہتا ہے، احساس کہلاتا ہے اور جب پیچیدہ، مرکب یا مخلوط شکل اختیار کر لیتا ہے تو جذبہ کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔(۲۵)

جذبات کی ماہئیت کو جانچنے کے لیے چہرے کے تاثرات کو مطالعۂ احوال (Case Study) بنا کر 'خوشی'، 'غم'، 'خوف'، 'غصہ'، 'حیرت' اور 'کراہت' کا بہ طور 'بنیادی جذبات' تعین کرنا، بلاشبہ معروف امریکی نفسیات دان، پال ایک مین (Paul Ekman پ: ۱۹۳۴ء) کا کارنامہ ہے، جو علمِ طب اور نفسیات میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث بنا ہے۔ پال، جذبات کو ایسے مظہر سے تعبیر کرتا ہے جو ایک خود کار تشخیصی عمل کے ذریعے، ہمارے 'ارتقائی' اور 'نجی ماضی' کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔(۲۶) یاد رہے کہ جذبات اور یادوں کے درمیان پائے جانے والے اِس گہرے تعلق کو جسے پال ایکمین نے 'نجی ماضی' قرار دیا؛ فرانسیسی ماہرِ عمرانیات مُغیس ہالبوکس (Maurice Halbwachs ۱۸۷۷- ۱۹۴۵ء) نے ۱۹۲۵ء میں شائع

ہونے والے اپنی کتاب The Social Framework of Memory میں بحث کا موضوع بنایا تھا۔(۲۷) ہالبوکس کی کتاب کا ذکر یہاں اس لیے اہم ہو گا کہ اِس کتاب میں مصنف نے یادداشت کو کسی فرد کے نجی ماضی سے نتھی کرنے کی بجائے؛ ایک ایسے اجتماعی سماجی فریم ورک سے منسلک کیا تھا، جو کبھی بھی انسانی جذبات کو انگیخت کر سکتا ہے۔ خیال رہے کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج کے خلاف ہونے والی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے جُملہ اسباب کو زیرِ بحث لاتے ہوئے بعض مؤرخین اِس واقعے کا سلسلہ ایک صدی قبل وقوع پذیر ہونے والی جنگِ پلاسی (۱۷۵۷ء) سے بھی جوڑتے ہیں۔ اِن مؤرخین کے خیال میں اِس جنگ میں شکست اور سراج الدولہ (۱۷۳۳-۱۷۵۷ء) کی موت کا غم ہندوستانی باشندوں کے اجتماعی حافظے کا حصہ بن گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوتے ہی کچھ 'ہندوستانی باشندوں' نے جنگِ پلاسی کے شہدا کا انتقام لینے کا بھی اعلان کیا تھا۔(۲۸) تاریخ کے اُس ہنگامہ خیز دور میں بغاوت کرنے والے یہ لوگ جنھیں باربرا روزن وین کی اصطلاح میں 'جذباتی گروہ' بھی قرار دیا جا سکتا ہے، 'نفرت' اور 'مایوسی' جیسے جذبوں سے بُری طرح مغلوب تھے۔ تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ درج بالا جذبات کا براہِ راست تعلق اُس اجتماعی یادداشت سے تھا جس نے 'غم اور غصے' کی چنگاریوں کو 'انتقام' کی بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل کر دیا تھا۔

'جذبات کا مؤرخ' درج بالا جذبات ہی کو بنیاد بنا کر تاریخی / ادبی متون کا مطالعہ کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اِس ضمن میں فرانس کے اینیل سکول آف ہسٹری کے بنیاد گزار لوسیاں فیوا (Lucien Febvre ۱۸۷۸-۱۹۵۶ء) ۱۹۴۱ء میں لکھے اپنے ایک مقالے "La sensibilité et l'histoire" (۲۹) میں جدید مؤرخین کو انسانی باطن کے اُن اندھیروں میں اُترنے کی تلقین کرتا ہے، جہاں نفسیات، تاریخ سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ تاریخ اور انسانی نفسیات کا یہی تال میل آگے چل کر 'جذبات کی تاریخ' کی صورت میں اپنا ادراک کرواتا ہے۔ لوسیاں فیوا، جدید مؤرخین سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ محبت / لذت / خوف / نفرت اور ظلم جیسے 'جذبوں' کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، زندگی اور موت کی تمام جذباتی اور مؤثر جہتوں کو اپنے تاریخی مطالعات کا موضوع بنائیں۔ وہ مؤرخین کو ایسے مطالعات کے لیے 'زبان'، 'جذباتی الفاظ'، 'بصری علوم کی تاریخ'، 'مجسموں'، 'اخلاقی تصویروں'، 'ادب'، 'ڈراموں' اور 'فلموں' کے ساتھ 'تاریخی دستاویزات' اور 'اخلاقی معاہدوں' سے استفادہ کرنے کا بھی مشورہ دیتا ہے۔(۳۰) لوسیاں فیوا کی درج بالا فکر نے ہی آنے والے دور کے مؤرخین کی توجہ اُن جذباتی کلامیوں کی طرف مبذول کروائی، جن سے تاریخی بیانیوں پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالی جا سکتی تھی۔ فنونِ لطیفہ خصوصاً ادبی فن پاروں کی

اہمیت اِس ضمن میں اس لیے زیادہ ہے کہ تاریخی بیانیوں کی چھان پھٹک میں ادبی متون ایسی رزم گاہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں، جس میں مختلف جذبوں کی آمیزش / آویزش قاری پر معنی کے نت نئے دریچے کھولنے کا باعث بنتی ہے۔ باربرا روزن وین نے اوپر متن میں موجود جن 'خاموشیوں'، 'استعاروں' اور 'استہزا' کا ذکر کیا، ادبی متن کی ساخت اِنھی جملہ عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے فوراً بعد منظرِ عام پر آنے والے شعری اور نثری متون ایسے کئی 'جذباتی کلامیوں' سے متشکل ہوئے تھے، جن کی نشان دہی سے مذکورہ عہد کی سیاسی اور سماجی تاریخ از سرِ نو مرتب کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باربرا روزن وین کی متعارف کروائی ہوئی 'جذباتی گروہوں' کی اصطلاح ایسی کئی طاقتوں اور گروہوں کو سامنے لاتی ہے، جن کی 'جذباتیت' نے اُردو ادب کی تعمیر و تشکیل بھی بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

'جذبات کی تاریخ' کے تناظر میں علی گڑھ تحریک اور اس سے وابستہ ادبی عمائدین کی تحریریں جہاں 'غم'، 'اُمید' اور 'حیرت' جیسے جذبوں کا دامن تھامے ' 'چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی' ' کے مصداق 'نئی تبدیلیوں' کا 'استقبال' کرتی نظر آتی ہیں، وہیں اکبر الہٰ آبادی (۱۸۴۶ء- ۱۹۲۱ء) اور 'اودھ پنچ' کے تخلیق کاروں کے ہاں ایک 'حزن آمیز طنز' اور ماضی سے انسلاک کا عمل ہندوستانی مٹی سے جڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ 'جذبات کی تاریخ' کے زیرِ اثر کیے جانے والے مطالعات میں بسا اوقات مؤرخ کا سابقہ ایسے 'ملے جلے جذبات' یعنی (Mixed Emotions) سے بھی پڑتا ہے جن میں 'خوف اور اُمید'، 'غم اور خوف'، 'کراہت اور غصہ' اور اسی طرح کے کئی جذبے باہم آمیز ہو کر اپنا ادراک کرواتے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے سیّاق میں ۱۸۵۷ء کے فوری بعد تخلیق ہونے والا ادبی متن کئی جذبوں کی آمیزش سے متشکل ہو کر سامنے آتا ہے۔ مثال کے طور پر سرسید احمد خان انگریزی تہذیب کا ذکر سنتے ہی جہاں ایک نوع کی 'احساسِ کمتری' کا شکار ہو جاتے ہیں، وہیں وہ مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے ' امید' کا دامن بھی تھامے رکھتے ہیں۔ اِسی طرح الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) جہاں فوری ماضی سے انقطاع کے بعد اپنا رشتہ عرب کی سرزمین سے اُستوار کر لیتے ہیں، وہیں وہ ہندوستان کی سرزمین سے شکوہ کناں ہونے کے باوجود، 'حُب الوطنی' (۳۱) کی مثالیں دیتے ہوئے نبی پاکؐ کی ' ہجرت' کے ساتھ 'رام چندر' کے بن باس کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ 'جذبات کا مؤرخ' شعری اور نثری تحریروں میں موجود مختلف ' الفاظ' کی مدد سے پہلے تاریخی بیانیوں کی تہ میں جاگزیں جذبوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور پھر متن میں چھُپے اصل معنی کو سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ یہ مضمون اُردو زبان و ادب میں ' جذبات کی تاریخ' کو متعارف کروانے اور اِس ضمن میں مزید مطالعات کا پیشِ خیمہ بنے گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ کا ایک فراموش کردہ موضوع: انسانی جذبات، (ویب گاہ: انڈیپینڈنٹ اردو)، ۲۶ مارچ ۲۰۲۵ء https://www.independenturdu.com/node/179142

(۲) تھامس ڈکسن، *The History of Emotions (A Very Short Introduction)*، (یو کے: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۲۳ء)، ۱۹۔

(۳) ایضاً، ۳۔

(۴) ایضاً، ۵۔

(۵) پیٹر سٹیرنز، کارول سٹیرنز Emotionology: Clarifying the History of Emotions and Emotional Standards مشمولہ، *The American History Review Journal*، جلد ۹۰، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۸۵ء، ۸۱۳۔۸۳۶۔

(۶) ضمیر جعفری، مافی الضمیر، (لاہور: مکتبۂ اردو ڈائجسٹ، مارچ، ۱۹۷۰ء)، ۵۱۔

(۷) مجید امجد، کلیات مجید امجد، مرتبہ: خواجہ محمد زکریا، (لاہور: الحمد پبلی پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۵۵۔

(۸) ولیم ریڈی، *The Navigation of Feeling (A Framework for the History Of Emotions)*، (کیمبرج، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۱ء)، ۱۲۹۔

(۹) باربرا روزن وین "Problems and Methods in the History of Emotions" مشمولہ *Passions in Context I*، (جلد اول، ۲۰۱۰ء)، ۱۱۔

(۱۰) سر سید احمد خان، "کیا سبب ہوا ہندوستان کی سرکشی کا" مشمولہ ۱۸۵۷، (روزنامچے، معاصر تحریریں، یادداشتیں)، مرتبہ: اکرام چغتائی (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۱۰۔

(۱۱) عبدالرزاق قریشی، نوائے آزادی، (بمبئی: ادبی پبلشرز ۱۹۵۷ء)، ص: ح

(۱۲) پال ایکمین، ویلس فریزن، "Constant across Cultures in the Face of Emotion" مشمولہ: *Journal of Personality and Social Psychology*، (جلد ۱۷، شمارہ ۲، ۱۹۷۱ء)، ۱۲۴۔۱۳۹۔

(۱۳) گریچن ریوی، *Encyclopedia of Emotion*، (کیلی فورنیا: گرین ووڈ، ۲۰۱۱ء)، ۲۰۷۔

(۱۴) ایضاً، ۲۰۶۔

(۱۵) پال روزن، جوناتھن ہیڈٹ، کلارک میکاولی، "Disgust"، مشمولہ *Handbook of Emotions(3rd ed)*، (نیویارک: گل فورڈ، ۲۰۰۸ء)، ۷۵۷۔۷۷۶۔

(۱۶) ایڈورڈ تھامپسن، "غدر کا دوسرا رُخ"، مترجم: مولانا محمد علی، مشمولہ ۱۸۵۷ تاریخی، علمی اور ادبی پہلو، مرتبہ: اکرام چغتائی (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۲۷۸۔

(۱۷) غلام رسول مہر، ۱۸۵۷، (لاہور: کتاب محل، سن ندارد)، ۵۸۔

۱۸۔ باربرا روزن وین، *Generations of Feeling: A History of Emotion s (600-1700)*، (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۶)، ۳۔۱۰

(۱۹) باربرا روزن وین، *Problems and Methods in the History of Emotions*، ۱۲۔

(۲۰) ایضاً، ۱۳۔

(۲۱) برائن سٹاک، *The Implications of the Literacy: Written Language and Model of Interpretation in 11th and 12th Centuries*، (پرنسٹن: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء)، ۸۸۔

(۲۲) چارلس ڈارون، *The Expression of the Emotions in Man and Animals*، مرتبہ: فرانسس ڈارون، (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۹)، ۱۵۵۔۱۵۶۔

(۲۳) ولیم جیمز، "What is an Emotion?" مشمولہ: *Mind* (جلد نمبر ۹، شمارہ ۳۴، اپریل ۱۸۸۴ء)، ۱۸۹۔۱۹۰۔

(۲۴) تھامس ڈکسن، *From Passions to Emotions(The Creation of a Secular Psychological Category)*، (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء)، ۲۰۴۔۲۰۵۔

(۲۵) عبدالماجد، بی اے، فلسفۂ جذبات، (اورنگ آباد دکن: انجمنِ ترقی اُردو، ۱۹۲۰ء)، ۷۸۔

(۲۶) پال ایک مین، "Basic Emotions"، مشمولہ Handbook of Cognition and Emotion (مرتبہ: مک پاور، ٹم ڈالگلیش)، (لندن: جون ویلے اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء)، ۴۵۔۶۰۔

(۲۷) مغیس ہل بوَکس، On Collective Memory، مرتب و مترجم: لیوس۔اے کوسر، (شکاگو، یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۹۲ء)، ۸۴۔

(۲۸) خورشید مصطفےٰ رضوی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، (دہلی: مکتبۂ برہان، ۱۹۵۹ء)، ۳۵۔

(۲۹) لوسیاں فیوا، "La sensibilité et l'histoire"، مشمولہ Annales d'historie sociale (جلد اول، شمارہ ۱/۲، جنوری تا جون ۱۹۴۱ء)، ۵۔۲۰۔

(۳۰) تھامس ڈکسن، *The History of Emotions (A Very Short Introduction)*، (یوکے: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۲۳ء)، ۵۔

(۳۱) الطاف حسین حالی، کلیاتِ نظم حالی، مرتبہ: افتخار احمد صدیقی، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)، ۴۰۲۔

Bibliography

1- ʿAbd al-Mājid, B.A., Falsafah-e-Jazbāt, Anjuman-e-Taraqqī-ye-Urdu, Aurangābād Dakan, 1920.
2- ʿAbd al-Razzāq Quraishī, Nawā-e-Āzādī, Bambay: Adabī Publishers, 1957.
3- Alṭāf Ḥusain Ḥālī, Kulliyāt-e-Naẓm-e-Ḥālī, murattib: Iftiḳhār Aḥmad Ṣiddīqī, Lāhaur: Majlis Taraqqī Adab, 1968.
4- Barbara Rosenwein, Generations of Feeling: A History of Emotion (600–1700), Cambridge: Cambridge University Press, 2016.
5- Barbara Rosenwein, Problems and Methods in the History of Emotions.
6- Charles Darwin, The Expression of the Emotions in Man and Animals, murattib: Francis Darwin, Cambridge: Cambridge University Press, 2009.
7- Edward Thompson, "Ghadar kā dūsrā rūḵẖ", mutarjim: Maulānā Muḥammad ʿAlī, majmūʿah: 1857: Tārīkhī, ʿilmī aur adabī pehlu, murattib: Iḳrām Chuġtā'ī, Lāhaur: Sang-e-Mīl Publications, 2007.

8- Gretchen Reevy, Encyclopedia of Emotion, California: Greenwood, 2011.
9- Ghulām Rasūl Mihr, 1857, Lāhaur: Kitāb Maḥal.
10- Khvurshīd Muṣṭafā Riẓvī, Jang-e-Āzādī 1857, Dihlī: Maktabah Barhān, 1959.
11- Lucien Febvre, "La Sensibilité et l'histoire", Annales d'histoire sociale, jild 1, shumārah 1/2, Jan–Jun 1941.
12- Majīd Amjad, Kulliyāt-e-Majīd Amjad, murattib: Ḵhvājā Muḥammad Zakariyā, Lāhaur: Alḥamd Publications, 2003.
13- Maurice Halbwachs, On Collective Memory, murattib o mutarjim: Lewis A. Coser, Chicago: University of Chicago Press, 1992.
14- Mubārak ʿAlī, Dr., "Tārīkh kā aik farāmōsh kardah mauzūʿ: Insānī jazbāt", webgāh: Independent Urdu, 26 Mārch 2025.
15- Paul Ekman, "Basic Emotions", majmūʿah: Handbook of Cognition and Emotion, murattib: Mick Power, Tim Dalgleish, London: John Wiley & Sons, 1999.
16- Paul Ekman, Wallace Friesen, "Constant across Cultures in the Face of Emotion", Journal of Personality and Social Psychology, jild 17, shumārah 2, 1971.
17- Paul Rozin, Jonathan Haidt, Clark McCauley, "Disgust", majmūʿah: Handbook of Emotions (3rd ed.), New York: Guilford, 2008.
18- Peter Stearns, Carol Stearns, "Emotionology: Clarifying the History of Emotions and Emotional Standards", The American History Review Journal, jild 90, shumārah 4, Aktūbar 1985.
19- Sir Sayyid Aḥmad Ḵhvān, "Kyā sabab huā Hindustān kī sarkashī kā", majmūʿah: 1857 (Roznāmche, muʿāṣir taḥrīrein, yād-dāshten), murattib: Iḳrām Chuġtāʾī, Lāhaur: Sang-e-Mīl Publications, 2007.
20- Thomas Dixon, From Passions to Emotions: The Creation of a Secular Psychological Category, Cambridge: Cambridge University Press, 2003.
21- Thomas Dixon, The History of Emotions (A Very Short Introduction), UK: Oxford University Press, 2023.
22- William James, "What is an Emotion?", Mind, jild 9, shumārah 34, April 1884.
23- William Reddy, The Navigation of Feeling: A Framework for the History of Emotions, Cambridge: Cambridge University Press, 2001.
24- Zamīr Jaʿfarī, Māfī al-ẓamīr, Lāhaur: Maktabah-e-Urdu Ḍājisṭ, Mārch 1970.
25- Brian Stock, The Implications of Literacy: Written Language and Model of Interpretation in 11th and 12th Centuries, Princeton: Princeton University Press, 1983.

❖❖❖